صریر خامہ
SAREER A KHAMA
TAFHEEM RESEARCH CENTRE
Category Y
ISSN Online: 3005-947X
ISSN Print: 3005-9461
Vol: 05, Issue 03 (July-September 2026)

قرآنِ کریم کے منتخب نحوی اشکالات کا تنقیدی و تجزیاتی مطالعہ : تفسیرِ قرطبی کی روشنی میں

Selected Grammatical Issues Attributed to the Qur'an: A Critical and Analytical Study in the Light of Tafsir al-Qurtubi

Kalsoom Bano
M.Phil Scholar in Islamic Studies, University of Malakand
Email: janqasam90@gmail.com

Dr. Aziz Ahmad (Corresponding Author)
Lecturer in Islamic Studies, University of Malakand
Email: aziz.ahmad@uom.edu.pk

Abstract:
This study presents a critical and analytical examination of selected grammatical issues attributed to the Qur'an, with particular reference to Al-Jami' li-Ahkam al-Qur'an by Imam al-Qurtubi. The study aims to investigate grammatical constructions in selected Qur'anic verses that may appear, at first glance, to differ from commonly established rules of Arabic grammar, and to examine the linguistic and grammatical explanations offered by classical scholars to clarify these constructions. The research focuses on seven selected issues, including variation in grammatical case between coordinated elements, the plural form of a verb preceding an explicit plural subject, the nominative case of the noun of Inna, apparent disagreement between an adjective and its noun in gender, the use of a plural relative pronoun with a singular noun, the use of a plural verb with a dual subject, and the gender and number of numerals and their counted nouns. Through an analytical study of al-Qurtubi's exegetical discussions, the research explores the grammatical opinions, Arabic linguistic usages, dialectal variations, poetic evidence, and interpretative explanations cited by him and other grammarians. The study adopts a descriptive and analytical approach, examining these issues in the context of classical Arabic linguistic conventions rather than judging them solely by the most common grammatical rules. It demonstrates that constructions regarded as grammatical irregularities may often be explained through recognized Arabic linguistic usages, alternative syntactic analyses, semantic considerations, and established dialectal forms. The study concludes that a careful examination of classical exegetical and grammatical sources is essential for understanding the linguistic features of the Qur'an and evaluating claims concerning its grammatical constructions. It also highlights the significance of Tafsir al-Qurtubi as a valuable source for studying Qur'anic grammar and the interpretative methods employed by classical Muslim scholars.

Keywords: Qur'anic Grammar, Grammatical Issues, Tafsir al-Qurtubi, Qur'anic Exegesis, Arabic Syntax, Grammatical Analysis, Classical Arabic Linguistics

مقدمہ:

نحو: لفظ "نحو "لغتِ عرب میں متعدد معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے، جن میں چند درجہ ذیل ہیں:

لفظ "نحو" ارادہ اور قصد کے معنی میں آتا ہے۔ عرب کہتے ہیں" : نحوت نحوک "یعنی میں نے تمہاری طرف آنے کا ارادہ کیا۔ "نحو" کسی سمت یا جانب کے معنی بھی دیتا ہے۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے" توجهت نحو البيت "یعنی میں نے گھر کی طرف رخ کیا۔(1) یہ لفظ کسی تعداد یا مقدار کے تخمینے کے لیے بھی بولا جاتا ہے، جیسے " له عندي نحو ألف "یعنی اس کے میرے ذمہ تقریباً ایک ہزار واجب الادا ہیں۔ نحو "قسم یا نوع کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ مثلاً"" هذا على أربعة أنحاء" بعض اوقات یہ لفظ کسی شے کے جزوی حصے کے لیے آتا ہے، جیسے " أكلت نحو دجاجة "یعنی میں نے مرغی کا کچھ حصہ کھایا۔

نحو کی اصطلاحی تعریف

جرجانی نے نحو کی اصطلاحی تعریف ان الفاظ میں بیان کی ہے:" یہ وہ علم ہے جس میں ایسے اصول و ضوابط سے بحث کی جاتی ہے جن کے ذریعے کلماتِ عربیہ کے ترکیب اور اواخر کے احوال، اعراب اور بنا (معرب و مبنی ہونے) کے اعتبار سے معلوم کیے جائیں "(2)۔

شاذ: عربی زبان کے قواعد و ضوابط کے تعین میں اہلِ نحو نے عربوں کے فصیح کلام کو بنیادی ماخذ قرار دیا ہے۔ اسی بنا پر عربی کلام کو سماع کے اعتبار سے دو بنیادی اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے: مطرد اور شاذ۔

مطرد لغوی اعتبار سے "طرد" سے ماخوذ ہے جس کے معنی تسلسل، استمرار اور پابندی کے ہیں۔ اصطلاحِ نحو میں مطرد اس کلام کو کہا جاتا ہے جو اپنے باب کے قواعد کے مطابق مسلسل اور کثرت سے استعمال ہوا ہو۔ اس کے برعکس شاذ "شذذ" سے مشتق ہے جس کے معنی الگ ہو جانے، منفرد ہونے اور عام طریقے سے ہٹ جانے کے ہیں۔ چنانچہ نحوی اصطلاح میں شاذ اس اسلوب یا لفظ کو کہا جاتا ہے جو اپنے باب کے معروف اور غالب قاعدے سے ہٹ کر استعمال ہوا ہو۔

تفسیر قرطبی کا تعارف: امام قرطبی کی اس شاہکار تصنیف کا مکمل نام "الجامع لأحكام القرآن والمبين لما تضمنه من السنة وأحكام الفرقان " ہے۔ علامہ ابن فرحون اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ عظیم ترین اور نہایت نفع بخش تفاسیر میں سے ایک ہے۔ نہوں نے اپنی تفسیر سے غیر ضروری قصے کہانیوں اور تاریخوں کو حذف کر دیا اور ان کی جگہ قرآنی احکام اور ان سے استنباطِ ادلہ کو شامل کیا۔ قرآنی الفاظ کی لغات، ان کے اعراب، قرات اور ناسخ و منسوخ پر بھرپور توجہ دی۔ ان کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ ہر قول کو اس کے قائل کی طرف اور ہر حدیث کو اس کے مصنف کی طرف منسوب کرتے ہیں، کیونکہ آپ کے نزدیک علم کی برکت یہ ہے

1۔ فیروزآبادی، ابو طاہر محمد بن یعقوب بن محمد، القاموس المحیط، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1419ھ/1998ء، مادۃ: ن ـ ح ـ و

2 ۔ جرجانی، ابو الحسن علی بن محمد، "کتاب التعریفات" دار المنار، السعودی، 1419ھ/1998ء، ص166

کہ قول اس کے کہنے والے کی طرف منسوب کیا جائے۔ آپ قرآنی الفاظ کی وضاحت کے لیے کثرت سے عربی زبان اور اشعار سے استشہاد کرتے ہیں۔ امام قرطبی اگرچہ مالکی المذہب تھے، لیکن وہ کسی مخصوص مسلک کے تعصب میں مبتلا نہیں تھے۔ [3]

منتخب نحوی شذوذ

قرآن میں کئی ایسے مواقع ہیں جن مین عجمی اہل لغت کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ شاید قرآن میں عربی گرائمر کی غلطیاں ہیں حالانکہ کسی بھی زبان کا گرائمر بعد میں غیر اہل زبان کو سکھانے کے لیے تیار کیا جاتا ہے جبکہ زبان پہلے سے موجود ہوتی ہے اس زبان مین استقراء کے زریعے اصول و قواعد تیار کیے جاتے ہیں اگر اس قدیم زبان اور گرائمر کا ٹکراو ہو جائے تو اس زبان ہی کو ترجیح ہوتی ہے کیونکہ زبان اصل ہے اور قواعد اسی میں استقراء کے بعد تیار کیے جاتے ہیں البتہ ظاہری قواعد میں نہ آنے کی وجہ سے کو شاذ کہا جاسکتا ہے لیکن یہ زبان کی فصاحت و بلاغت کے خلاف نہیں ہوتا۔ یہی حکم عربی زبان کا ہے نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانے میں عربی گرائمر نہیں تھا یہ بعد میں بنایا گیا اس میں زیادہ کردار اہل فارس کا ہے قرآن کی زبان میں اس وقت موجود عرب کے مشہور اہل زبان اور ادباء نے کوئی نحوی اعتراض نہیں کیا یہ اعتراضات بعد میں عجمیوں کے ظاہری قواعد شناسی کے بعد وجود میں آنے لگے۔ تو در حقیقت یہ اعتراض قابل اعتناء نہیں لیکن پھر بھی کچھ مفسریں نے نحوی استشہادات کی روشنی میں ان کی توجیہات پیش کی ہیں ان میں سے ایک امام قرطبی ہیں، ذیل میں ان میں سے کچھ منتخب شذوذ کی وضاحت اور ان کا مطرد قواعد میں منطبق کرنے کی کچھ توجیہات پیش کی جاتی ہیں۔

1۔ سورۃ مائدہ میں معطوف کا معطوف علیہ کا اعراب میں موافق نہ ہونا

آیت یہ ہے: "إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئُونَ وَالنَّصَارَىٰ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ"[4]۔

اس میں "الصابِئُونَ" مرفوع ہے، حالانکہ اسے "إِنّ" کے بعد آنے والے اسموں پر معطوف ہونا چاہیے، جو منصوب ہیں جیسے: "الَّذِينَ آمَنُوا"۔ لہٰذا یہ خیال کیا جاتا ہے کہ صحیح صورت یہ ہونی چاہیے: "والصابِئِينَ" جیسا کہ سورہ بقرہ اور سورہ حج میں آیا ہے۔ اس میں ایسا لگتا ہے کہ بظاہر قرآن کریم نے عربی زبان کے قواعد کی خلاف ورزی کی ہے، کیونکہ اس نے ایک مرفوع اسم کو منصوب اسم پر عطف کیا گیا ہے اور نحو کا یہ مشہور قاعدہ ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ کا اعراب ایک ہوتا ہے جیسا کہ جامع الدروس العربیۃ

3۔ الذهبي، محمد السيد حسين،الدكتور،" التفسير والمفسرون" مكتبة وهبة، القاهرة،س ن،ج2،ص337

4۔ المائدہ: 69

میں ہے:"الواو تكونُ للجمع بين المعطوفِ والمعطوف عليه في الحُكم والاعرابِ جمعاً مطلقاً"[5] **ترجمہ: واو عاطفہ معطوف** اور معطوف علیہ کو حکم اور اعراب میں مطلقا(بغیر ترتیب و تعقیب کے) جمع کرتا ہے۔

نحوی توجیہات

امام قرطبی اپنی تفسیر میں ان کی کئی نحوی توجیہات پیش کرتے ہیں جو کہ درجہ ذیل ہیں:

عطف علی الضمیر (قولِ کسائی و اخفش):

لفظ"الصَّابِئُونَ "کو"هادُوا "میں مضمر ضمیر (فاعل) پر معطوف قرار دیا گیا ہے۔ اس توجیہ کے مطابق عطف ضمیرِ مرفوع پر واقع ہوا ہے، اس لیے معطوف "الصابئون" بھی مرفوع آیا اور اسے اسمِ "إنَّ "پر معطوف نہیں مانا گیا۔

البتہ اس احتمال پر دو جہتوں سے اعتراض وارد کیا گیا: اول یہ کہ ضمیرِ مرفوع پر بلا تاکید عطف قبیح ہے۔ دوم یہ کہ عطف میں معطوف، معطوفٌ علیہ کا شریک ہوتا ہے، جس سے لازم آتا ہے کہ "الصابئون "یہود میں داخل ہوں، جو معنًی محال ہے۔ اس بنا پر یہ توجیہ ضعیف قرار دی گئی۔(6)

ضعفِ عملِ "إنَّ"(قولِ فرّا):

فرّاء کے نزدیک"إنَّ " یہاں ضعیف العمل ہے، جو صرف اسم پر اثرانداز ہوتی ہے، خبر پر نہیں۔ مزید یہ کہ"الَّذِينَ "میں اعراب ظاہر نہیں ہوتا، لہٰذا کلام میں رفع و نصب دونوں پہلو جمع ہو سکتے ہیں۔ اسی بنا پر"الصَّابِئُونَ "کو اصلِ کلام کی طرف رجوع کرتے ہوئے مرفوع لانا جائز قرار دیا گیا۔(7) البتہ زجّاج نے اس بنیاد کو قبول نہیں کیا کہ عدمِ ظہورِ اعراب حکم کو بدل دیتا ہے، بلکہ ان کے نزدیک جس میں اعراب ظاہر ہو اور جس میں نہ ہو، دونوں کا حکم یکساں ہے؛ لہٰذا اس توجیہ کو مضبوط نہیں مانا گیا۔(8)

تقدیم و تاخیر کی بنا پر رفع (قولِ خلیل و سیبویہ):

خلیل اور سیبویہ کے نزدیک"الصَّابِئُونَ "کا رفع تقدیم و تاخیر پر مبنی ہے۔ تقدیر یوں ہے کہ اصل کلام مکمل ہونے کے بعد"الصابئون والنصاری "کو مستقل جملہ کے طور پر مؤخر ذکر کیا گیا ہے، اور ان کا حکم سابقہ جملہ کے حکم کے مطابق ہے۔ اس صورت میں یہ مبتدأ مرفوع کے حکم میں ہے، نہ کہ معطوف علی اسمِ "إنَّ"۔

---

[5] غلایینی، مصطفی بن محمد سلیم، جامع الدروس العربیۃ، المکتبۃ العصریۃ، بیروت، 1414ھ/1993ء: ج3، ص245

[6] قرطبی، ابو عبد الله محمد بن احمد، شمس الدين، الجامع لأحكام القرآن، دار الكتب المصرية، قاہرة، ۱۳۸۴ھ/1964ء "، ج6، ص246

[7] - ایضا

[8] - ایضا

شاہدِ شعری:

"وَإِلَّا فَاعْلَمُوا أَنَّا وَأَنْتُمْ بُغَاةٌ مَا بَقِينَا فِي شِقَاقِ"

ترجمہ: اگر ایسا نہیں تو جان لو کہ ہم اور تم سب باغی ہیں جب تک ہم اختلاف میں باقی ہیں۔ یہاں بھی تقدیم و تاخیر کے ذریعے اسلوب میں یہی نحوی صورت پیدا ہوئی ہے۔[9]

"إِنَّ" کو بمعنی "نعم" لینا (قولِ قرطبی):

ایک احتمال یہ ذکر کیا گیا ہے کہ "إنَّ" کو بمعنی "نعم" لیا جائے۔ اس صورت میں "الصَّابِئُونَ" مبتدأ مرفوع ہوگا اور اس کا خبر محذوف ہوگا، جس پر بعد کا کلام دلالت کرتا ہے۔ یوں عطف کلام کے مکمل ہونے کے بعد واقع ہوا، اس لیے رفع درست ہے۔

شاہدِ شعری:

"بَكَرَ الْعَوَاذِلُ فِي الصَّبَاحِ يَلُمْنَنِي فَقُلْتُ إِنَّهْ"

ترجمہ: ملامت کرنے والیاں صبح سویرے مجھے ملامت کرنے لگیں... تو میں نے کہا: ہاں یہاں "إنَّه" بمعنی "نعم" ہے، اور ہاء سکون کے لیے ہے۔[10]

مذکورہ توجیہات سے واضح ہوتا ہے کہ "الصَّابِئُونَ" کا مرفوع آنا متعدد نحوی احتمالات پر مبنی ہے، جن میں عطف علی الضمیر، ضعفِ عملِ "إنَّ"، تقدیم و تاخیر، مبتدأ محذوف الخبر، اور "إنَّ" کو بمعنی "نعم" لینا شامل ہیں۔

2۔ فاعل اسم ظاہر کے فعل کا جمع آجانا

قرآنِ مجید کی سورۃ انبیاء کی آیت "وَأَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِينَ ظَلَمُوا"[11] کے بارے میں اعتراض یہ ہے کہ یہاں فعل "أسرّوا" کا فاعل اسم ظاہر "الذین ظلموا" ہے۔ جمہور نحاۃ کے معروف اصول کے مطابق جب فاعل اسم ظاہر ہو تو فعل مفرد آتا ہے جیسا کہ الفیہ ابن مالک کی شرح میں ابن عقیل لکھتے ہیں: "مذهب جمهور العرب أنه إذا أسند الفعل إلى ظاهر مثنى أو مجموع وجب تجريده من علامة تدل على التثنية أو الجمع"[12]۔ ترجمہ: "جب فعل کی اسناد ظاہر تثنیہ یا جمع کی طرف کی جائے تو اس فعل کو ان علامات سے خالی کرنا واجب ہے جو تثنیہ اور جمع پر دلالت کرے۔"، لہٰذا آیت کا اسلوب نحوی قاعدے کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔

9۔ ایضا

10۔ ایضا

11۔ الأنبياء: 3

12 ابن عقیل، عبد اللہ بن عبد الرحمن عقیلی ہمدانی مصری، شرح ابن عقیل علی الفیۃ ابن مالک، دار التراث، قاہرۃ، 1400ھ/1980ء: ج2، ص79

نحو کے مطابق یہاں عبارت یوں ہونی چاہیے تھی "وأسرَّ النجوى الذين ظلموا" تاکہ فاعل "الذین ظلموا" کے لیے فعل مفرد ہی رہے۔

نحوی توجیہات تفسیر قرطبی کی روشنی میں

اس شبہے کا اصل منبع یہ ہے کہ اس نے "الذين ظلموا" کی نحوی حیثیت کو متعین کیے بغیر اسے براہِ راست فعل کا دوسرا فاعل قرار دے دیا، حالانکہ عربی زبان میں ایسے متعدد اسالیب پائے جاتے ہیں جن کی روشنی میں یہ ترکیب نہایت فصیح اور قواعدِ نحو کے عین مطابق قرار پاتی ہے۔

پہلی توجیہ: "الذين ظلموا" واوِ فاعل سے بدل ہے:

امام قرطبی نے سب سے پہلے یہ توجیہ نقل کی ہے کہ "الذين ظلموا" دراصل واو سے بدل ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ: انہوں نے خفیہ مشورے کیے، یعنی وہ لوگ جنھوں نے ظلم کیا۔ اس صورت میں "الذين ظلموا" کوئی نیا فاعل نہیں بلکہ پہلے سے موجود فاعل کی توضیح و تعیین کے لیے بطور بدل ذکر ہوا ہے فاعل نہیں ہے۔ امام مبرد نے اس اسلوب کی مثال دیتے ہوئے کہا: إنَّ الذين في الدار انطلقوا بنو عبد الله، یعنی: "گھر میں موجود لوگ روانہ ہو گئے، یعنی بنو عبد اللہ۔ یہاں "بنو عبد الله" واوِ فاعل سے بدل ہے، دوسرا فاعل نہیں۔ اس توجیہ سے واضح ہوتا ہے کہ آیت میں اسم ظاہر فاعل نہیں بلکہ دوسرا اسم ضمیر کی وضاحت کے لیے لایا گیا ہے۔[13]

دوسری توجیہ: رفع على الذم:

بعض نحویین کے نزدیک "الذين ظلموا" مرفوع ہے لیکن فاعل ہونے کی وجہ سے نہیں، بلکہ رفع علی الذم کے طور پر آیا ہے۔ تقدیرِ کلام یوں ہوگی: هم الذين ظلموا" یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے ظلم کیا۔" عربی زبان میں مذمت، تحقیر یا تنبیہ کے لیے ایسا اسلوب معروف ہے۔ اس صورت میں "الذين ظلموا" جملۂ مستأنفہ کے حکم میں ہوگا اور فعل "أسروا" کے ساتھ اس کا تعلق فاعلیت کا نہیں ہوگا۔ زمخشری نے بھی کشاف میں اسی احتمال کو ذکر کیا اور فرمایا کہ اس میں ان کے ظلم اور عناد کو نمایاں کرنے کا مقصد پایا جاتا ہے۔[14]

---

[13] ۔ القرطبي" الجامع لأحكام القرآن"،ج11،ص268

[14]۔ القرطبي" الجامع لأحكام القرآن"،ج11،ص269

تیسری توجیہ: حذفِ قول:

امام نحاس نے جس توجیہ کو راجح قرار دیا ہے وہ حذفِ قول کی توجیہ ہے۔ **تقدیرِ عبارت:** وأسروا النجوى، يقول الذين ظلموا: هل هذا إلا بشر مثلكم **یعنی:** "انہوں نے خفیہ گفتگو کی، اور ظالم لوگ کہتے تھے: کیا یہ تمہاری طرح ایک بشر نہیں؟" اس توجیہ کی تائید خود سیاقِ کلام سے ہوتی ہے، کیونکہ فوراً بعد ان کا قول نقل کیا گیا ہے: "هَلْ هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ" امام نحاس نے اسی قرینۂ سیاق کو اپنے موقف کی دلیل قرار دیا۔ قرطبی نے اس کی نظیر درج ذیل آیت سے دی: "وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ" یہاں بھی "يقولون" محذوف مانا جاتا ہے۔ یہ توجیہ عربی زبان میں حذف و تقدیر کے معروف اصول پر مبنی ہے اور نحوی اشکال کو مکمل طور پر ختم کر دیتی ہے۔ (15)

چوتھی توجیہ: نصب علی الذم یا بفعلٍ مقدر:

بعض اہلِ نحو کے نزدیک "الذين ظلموا" منصوب ہے اور اس سے پہلے ایک فعل مقدر ہے، **مثلاً:** أعني الذين ظلموا **یعنی:** "میرا اشارہ ان لوگوں کی طرف ہے جنہوں نے ظلم کیا۔" یہ اسلوب عربی ادب میں کثرت سے استعمال ہوتا ہے اور اس کا مقصد کسی گروہ کو خصوصیت کے ساتھ نمایاں کرنا ہوتا ہے۔ اس احتمال میں بھی "الذین ظلموا" فاعل نہیں بنتا، لہٰذا معترض کا دعویٰ باقی نہیں رہتا۔ (16)

پانچویں توجیہ: "الذين ظلموا" کا تعلق ما قبل سے:

امام فرّاء نے یہ احتمال ذکر کیا کہ "الذين ظلموا" کا تعلق سابقہ آیت سے ہو: "اقْتَرَبَ لِلنَّاسِ الَّذِينَ ظَلَمُوا حِسَابُهُمْ" اس صورت میں یہ لفظ سرے سے "أسروا" کا فاعل ہی نہیں بنتا، بلکہ سابق ترکیب سے متعلق قرار پاتا ہے۔ اگرچہ یہ احتمال نسبتاً کمزور شمار کیا گیا، تاہم یہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ نحویین نے اس مقام کو متعدد صحیح احتمالات کے ساتھ حل کیا ہے۔

چھٹی توجیہ: لغتِ "أكلوني البراغيث":

اخفش نے اس آیت کو عربوں کی مشہور لغت "أكلوني البراغيث" پر محمول کیا ہے۔ اس لغت میں فعل کے ساتھ جمع کی علامت لانے کے بعد ظاہر فاعل بھی ذکر کیا جاتا ہے، جیسے: "أكلوني البراغيث" مجھے پسوؤں نے کاٹ لیا۔ اسی قبیل سے "قاموا الرجال" مرد

15۔ ایضا

16۔ ایضا

کھڑے ہوئے۔اس اسلوب کے شواہد قرآن اور عربی شعر دونوں میں موجود ہیں۔قرآن کریم میں ارشاد ہے"ثُمَّ عَمُوا وَصَمُّوا كَثِيرٌ مِنْهُمْ"(17)اسی طرح قرطبی نے عربی اشعار سے بھی استشہاد نقل کیا ہے:

بك نال النضال دون المساعي فاهتدين النبال للأغراض

اور

ولكن ديافي أبوه وأمه بحوران يعصرن السليط أقاربه

یہ استشہادات اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ عربی کے بعض قبائلی لہجوں میں ایسا اسلوب معروف اور فصیح تھا۔لہٰذا اگر آیت کو اس لغت پر محمول کیا جائے تو بھی کوئی نحوی اشکال باقی نہیں رہتا۔

ساتویں توجیہ:تقدیم و تاخیر:

امام کسائی کے نزدیک آیت میں تقدیم و تاخیر ہے۔اصل ترتیب یوں ہے":والذين ظلموا أسروا النجوى"اور ظالم لوگوں نے خفیہ مشورے کیے۔عربی زبان میں بلاغی اغراض کے لیے تقدیم و تاخیر ایک معروف اسلوب ہے۔اس توجیہ کے مطابق بھی دو فاعلوں کا مسئلہ پیدا نہیں ہوتا۔

3۔حرف مشبہ بالفعل"إِنَّ"کے اسم کا مرفوع ہونا

سورۂ طٰہٰ میں جادوگروں کا یہ قول نقل ہوا ہے:"إِنْ هَذَانِ لَسَاحِرَانِ"(18)اس آیت میں إِنَّ کا اسم مرفوع ہے حالانکہ مشہور قاعدہ ہے کہ"إِنَّ"اپنے اسم کو نصب دیتی ہے جیسا کہ مشہور امام نحو لکھتے ہیں:"وهذه الحروف (ان و اخواتها) تعمل عكس عمل كان فتنصب الاسم وترفع الخبر۔[19]"لہٰذا قاعدے کے مطابق عبارت یوں ہونی چاہیے تھی:"إنَّ هذين لساحران"جبکہ قرآنِ کریم میں"هذان"رفع کے ساتھ آیا ہے۔

نحوی توجیہات:

پہلی توجیہ:یہ بعض عرب قبائل کی معروف لغت ہے

امام قرطبی نے نقل کیا ہے کہ اہلِ علم کے نزدیک سب سے قوی اور مشہور جواب یہ ہے کہ یہ بنی حارث بن کعب، زبید، خثعم اور بعض قبائلِ کنانہ کی لغت ہے، جو تثنیہ کے تمام احوال میں الف ہی کو باقی رکھتے تھے۔وہ کہتے تھے:"جاء الزيدان،رأيت الزيدان،مررت بالزيدان"یعنی رفع، نصب اور جر تینوں حالتوں میں"الزيدان"ہی استعمال کرتے تھے۔امام نحاس فرماتے ہیں:"وهذا

---

17 ۔ المائدة: 71

18۔ طه: 63

19 ابن عقيل، شرح ابن عقيل على ألفية ابن مالك :ج1،ص346

القول من أحسن ما حملت عليه الآية" اور مزید واضح کرتے ہیں کہ اس لغت کو ابو زید انصاری، اخفش، کسائی اور فراء جیسے معتبر ائمہ ٔ لغت نے روایت کیا ہے۔

شعری استشہاد

فراء نے بنو اسد کے ایک فصیح شاعر کا شعر نقل کیا ہے:

فأَطرَقَ إِطراقَ الشجاعِ ولو يرى مَساغاً لِنَابَاه الشُجَاعُ لَصَمماَ

اسی طرح ان قبائل کے استعمالات: "كسرت يداه، ركبت علاه" یعنی میں نے اس کے دونوں ہاتھ توڑے۔ میں اس پر سوار ہوا۔ حالانکہ قیاس کے مطابق "يديه" اور "عليه" ہونا چاہیے تھا۔ یہ استشہادات اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ تثنیہ میں الف کا التزام عربی کے معروف لہجات میں سے تھا۔[20]

دوسری توجیہ: "إن" بمعنی "نعم"

امام کسائی، سیبویہ، محمد بن یزید، زجاج اور دیگر ائمہ نے یہ احتمال ذکر کیا ہے کہ یہاں: "إن" بمعنی "نعم" ہے۔ یعنی آیت کا مفہوم ہوگا: "نعم، هذان لساحران" ہاں، یہ دونوں یقیناً جادوگر ہیں۔ عربی اشعار میں "إن" کے اس استعمال پر شواہد بھی موجود ہیں، مثلاً:

قالوا غدرت فقلت إن وربما نال العلا وشفى الغليل الغادر

یہی وجہ ہے کہ زجاج اور دیگر نحویین نے اس توجیہ کو پسند کیا ہے۔[21]

تیسری توجیہ: اسمِ اشارہ کی تثنیہ کو مفرد پر قیاس کرنا:

ابن کیسان نے ایک نہایت لطیف نحوی توجیہ ذکر کی ہے۔ ان کے نزدیک: "هذا" رفع، نصب اور جر تینوں حالتوں میں ایک ہی صورت پر رہتا ہے۔ چونکہ تثنیہ اصلِ واحد کی فرع ہے، اس لیے: "هذان" کو بھی اصل صورت پر باقی رکھا گیا۔ امام اسماعیل بن اسحاق نے اس توجیہ کو سن کر فرمایا: "ما أحسن هذا" یعنی: یہ کتنی عمدہ توجیہ ہے۔[22]

چوتھی توجیہ: "إنه هذان لساحران" کی تقدیر

بعض نحویین نے کہا ہے کہ اصل عبارت یوں ہے: "إنه هذان لساحران" یعنی بلاشبہ یہ دونوں جادوگر ہیں" اس توجیہ کے مطابق ضمیرِ شان محذوف ہے، اور "هذان" مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ اگرچہ ابن جنی اور ابو علی فارسی نے اس توجیہ پر نقد کیا ہے، تاہم یہ بھی نحویین کے ہاں ایک معروف احتمال کے طور پر مذکور ہے۔[23]

---

[20]۔ القرطبي" الجامع لأحكام القرآن"،ج11،ص216

[21]۔ القرطبي" الجامع لأحكام القرآن"،ج11،ص217

[22]۔ ایضا

[23]۔ایضا

پانچویں توجیہ: اصلِ تثنیہ کی حفاظت:

فراء نے ایک اور توجیہ بیان کی ہے کہ تثنیہ کی علامت الف اصل میں کلمہ کی بنیاد کا حصہ بن گئی ہے، لہٰذا اسے نصب و جر میں تبدیل نہیں کیا گیا۔ انہوں نے اس کی مثال اسم موصول سے دی: "الذي ، الذين" جس میں اصل ساخت محفوظ رہتی ہے۔ اس بنا پر: "هذان" اپنی اصل ہیئت پر باقی رکھا گیا۔[24]

اس کے علاوہ امام قرطبی نے اس مقام پر متعدد قراءات نقل کی ہیں: "إن هذين لساحرا،إن هذان لساحران،إن ذان إلا ساحران،إن هذان إلا ساحران" یہ تنوع اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مسئلہ کسی غلطی کا نہیں بلکہ مختلف عربی اسالیب اور قراءات کا ہے، جنہیں ائمہ ٔ قراء نے روایت کیا اور اہلِ علم نے ان کی نحوی توجیہات بیان کیں۔[25]

4۔ موصوف اور صفت میں مطابقت نہ ہونا

قرآنِ کریم کی سورۃ فرقان کی آیت: "وَأَحْيَيْنَا بِهِ بَلْدَةً مَيْتًا"[26] میں موصوف صفت "**بَلْدَةً مَيْتًا** " سے متعلق ہے۔ اس میں "بلدة "مؤنث اسم ہے، لہٰذا اس کی صفت بھی مؤنث یعنی "ميتة "ہونی چاہیے تھی، جبکہ قرآنِ کریم میں اس کے لیے مذکر صیغہ "مَيْتًا " استعمال ہوا ہے۔ بظاہر یہ صفت و موصوف کے درمیان تذکیر و تانیث کی مطابقت کے معروف نحوی اصول کے خلاف محسوس ہوتا ہے، اس کی توجیہ درجہ زیل ہے:

نحوی توجیہ

1۔ تاویلِ موصوف بالمذکر (المکان): لفظ "مَيْتًا "کو مذکر لانے کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ "بلدة "سے مکان مراد لیا گیا ہے۔ چونکہ "المكان "مذکر ہے، اس لیے اس کی صفت بھی مذکر) ميتًا (آئی۔ اس توجیہ کے مطابق نعت و منعوت کے درمیان عدمِ مطابقت درحقیقت تاویلِ معنوی کی بنا پر زائل ہو جاتی ہے، کیونکہ حقیقی مراد مؤنث لفظ نہیں بلکہ اس کا مذکر مفہوم ہے۔[27]

5۔ مفرد کے لیے جمع کا اسمِ موصول لانا

قرآن کریم کی سورہ نور آیت "أَوِ ٱلطِّفْلِ ٱلَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَاتِ ٱلنِّسَاءِ"[28] (ترجمہ: یا ایسے بچوں کے سوا جو عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے واقف نہیں ہوئے) میں مفرد اسم (الطفل) کے لیے جمع کا اسمِ موصول (الذین) استعمال کیا گیا ہے جو نحوی قواعد

24۔ایضا

25۔ ایضا

26۔ سورہ الفرقان: 49

27۔ القرطبي" الجامع لأحكام القرآن"،ج17،ص8

28۔ سورہ نور:31

کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا قواعد کے مطابق یہاں یا تو "الطفل الذي" ہونا چاہیے تھا یا "الأطفال الذين"۔ الغرض ظاہری طور اس میں مفرد اور جمع کے درمیان مطابقت قائم نہیں رکھی۔

نحوی توجیہات

پہلی توجیہ: "الطفل" اسمِ جنس ہے:

امام قرطبی فرماتے ہیں کہ یہاں "الطفل" مفرد حقیقی کے معنی میں نہیں بلکہ "اسمِ جنس" کے طور پر استعمال ہوا ہے، جو اپنے مفہوم میں جماعت اور جمع کو شامل ہوتا ہے۔ اسی لیے انہوں نے فرمایا: "الطفل اسم جنس بمعنى الجمع" یعنی "الطفل" ایسا اسمِ جنس ہے جو جمع کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ جب "الطفل" سے مراد ایک بچہ نہیں بلکہ بچوں کی جماعت ہو، تو پھر اس کے لیے "الذين" کا صیغۂ جمع لانا بالکل فصیح اور قواعدِ عربیہ کے مطابق ہو جاتا ہے۔ (29)

دوسری توجیہ: صفت نے معنی کو واضح کر دیا:

امام قرطبی نے مزید فرمایا کہ "الطفل" کے جمع معنی ہونے کی دلیل خود اس کی صفت "الذين" ہے۔ یعنی قرآن نے "الذين" لا کر واضح کر دیا کہ یہاں مراد ایک بچہ نہیں بلکہ بچوں کی جماعت ہے۔ گویا لفظ اگرچہ صورت کے اعتبار سے مفرد ہے، لیکن معنی کے اعتبار سے جمع ہے، اور عربی زبان میں ایسے استعمالات معروف اور کثیر ہیں جہاں اعتبارِ معنی کو ترجیح دی جاتی ہے۔ (30) امام قرطبی نے یہ بھی نقل کیا کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے مصحف میں: "أو الأطفال الذين" وارد تھا، یعنی وہاں لفظ "الأطفال" صراحتاً جمع کے صیغے میں مذکور تھا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اصل معنی جمع ہی کا ہے، اور موجودہ قرآنی اسلوب میں "الطفل" کو اسمِ جنس کے طور پر استعمال کیا گیا ہے، جو عربی بلاغت کے عین مطابق ہے۔ (31)

6۔ تثنیہ کے لیے جمع کا فعل لانا

سورۂ حج کی آیت "هَذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ" (32) میں "هذان" اور "خصمان" دونوں تثنیہ کے صیغے ہیں، لہٰذا ان کے لیے فعل بھی تثنیہ ہونا چاہیے تھا، یعنی: "اختصما" کہا جاتا، جبکہ قرآن نے "اختصموا" کہہ کر جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ یہ اسلوب نحوی اعتبار سے درست نہیں کیونکہ یہ مطرد نہیں۔ لیکن ائمۂ تفسیر اور نحویین نے اس مقام کی ایسی دقیق علمی توجیہات بیان کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسلوب عربی زبان کے معروف قواعد اور فصیح اسالیب کے عین مطابق ہے۔

29۔ القرطبي" الجامع لأحكام القرآن"،ج12،ص236

30 ۔ ایضا

31 ۔ ایضا

32۔ سوره حج:19

نحوی توجیہ

تثنیہ سے مراد دو جماعتیں ہیں:

امام فرّاء کے نزدیک یہاں "خصمان" سے مراد دو شخص نہیں بلکہ دو جماعتیں اور دو فریق ہیں؛ ایک فریق اہلِ ایمان کا اور دوسرا اہلِ کفر کا۔ گویا معنی یہ ہوا یہ دو گروہ ہیں جنہوں نے اپنے رب کے بارے میں جھگڑا کیا۔ چونکہ حقیقت میں یہ متعدد افراد پر مشتمل دو جماعتیں ہیں، اس لیے فعل جمع "اختصموا" لایا گیا۔ امام فرّاء نے یہ بھی تصریح کی کہ اگر "اختصما" کہا جاتا تو وہ بھی درست ہوتا، کیونکہ لفظ کے اعتبار سے تثنیہ موجود ہے، لیکن قرآن نے معنی کے اعتبار سے جمع کا صیغہ اختیار کیا۔[33] امام قرطبی نے اس آیت کے شانِ نزول کے ضمن میں وہ روایات نقل کی ہیں جن کے مطابق یہ آیت غزوۂ بدر کے مقابل فریقوں کے بارے میں نازل ہوئی، یعنی ایک جانب حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہم تھے، جبکہ دوسری طرف عتبہ، شیبہ اور ولید تھے۔ اس اعتبار سے بھی "خصمان" سے مراد دو فرد نہیں بلکہ دو گروہ ہیں، جن میں متعدد اشخاص شامل ہیں۔ لہٰذا "اختصموا" کا صیغۂ جمع لانا بالکل فصیح اور بامعنی ہے۔[34]

7۔ عدد معدود میں جنس اور افراد و جمع کے قواعد کا خیال نہ رکھنا

سورہ اعراف کی آیت "وَقَطَّعْنَاهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ أَسْبَاطًا أُمَمًا"[35] لفظ "أسباط" مذکر ہے، اس لیے عدد بھی مذکر ہونا چاہیے تھا، یعنی: "اثني عشر" جبکہ قرآن نے "اثنتي عشرة" مؤنث استعمال کیا۔ اسی عدد معدود میں دوسرا شبہ یہ ہے کہ مشہور عربی قاعدے کے مطابق اثنی عشر عدد کے بعد معدود یعنی ممیز مفرد ہونا چاہیے جیسا کہ ابن حاجب لکھتے ہیں: وممّيز (أحد عشر) إلى تسعة وتسعين منصوب مفرد"۔ ترجمہ: " احد عشر (گیارہ) سے تسع وتسعین (ننانوے) تک ممیز منصوب اور مفرد ہوتا ہے[36]۔"، لیکن قرآن نے "أسباطًا" کو جمع لایا ہے، حالانکہ بمطابق مطرد نحو عبارت یوں ہونی چاہیے تھی: "اثني عشر سبطًا"۔

نحوی توجیہات

امام قرطبیؒ نے اس شبہے کے متعدد علمی اور نحوی جوابات ذکر فرمائے ہیں، جن سے واضح ہوتا ہے کہ یہ اسلوب عربی زبان کے عین مطابق اور نہایت بلیغ ہے۔

33۔ القرطبي" الجامع لأحكام القرآن"، ج12، ص26

34 ۔ القرطبي" الجامع لأحكام القرآن"، ج12، ص26

35 ۔ الأعراف: 160

36 ابن الحاجب جمال الدین بن عثمان بن عمر بن ابی بکر، الکافیۃ فی علم النحو، مکتبۃ الآداب، قاہرۃ، 2010ء: ص38

عدد کی تانیث کی توجیہات:

پہلی توجیہ: عدد کی تانیث "أممًا" کی رعایت سے ہے۔

امام قرطبیؒ نے سب سے پہلی توجیہ یہ بیان فرمائی: "فَذَهَبَ التَّأْنِيثُ إِلَى الْأُمَمِ" یعنی عدد کی تانیث لفظ "أممًا" کی رعایت سے آئی ہے، کیونکہ "أمم" مؤنث معنی رکھتا ہے۔ گویا آیت کا مفہوم یوں ہے: ہم نے انہیں بارہ جماعتوں اور امتوں میں تقسیم کر دیا۔ پس اگرچہ "أسباط" لفظاً مذکر ہے، لیکن چونکہ اس کے بعد "أممًا" آیا جو معنی کے اعتبار سے مؤنث جماعتوں کی وضاحت کر رہا ہے، اس لیے عدد کو مؤنث لایا گیا۔ یہ عربی زبان میں معنوی رعایت (الحمل على المعنى) کی معروف مثال ہے۔[37]

دوسری توجیہ: "أسباط" سے مراد قبائل اور فرقے ہیں۔

امام قرطبیؒ نے دوسری توجیہ یہ ذکر فرمائی: "أَرَادَ بِالْأَسْبَاطِ الْقَبَائِلَ وَالْفِرَقَ" یعنی یہاں "أسباط" سے مراد قبائل اور جماعتیں ہیں، اور چونکہ "قبيلة" اور "فرقة" مؤنث الفاظ ہیں، اس لیے عدد کو بھی مؤنث لایا گیا۔ گویا اگرچہ لفظ "أسباط" مذکر جمع ہے، لیکن اس کے پیچھے جو معنی مراد ہے وہ مؤنث ہے، لہٰذا تانیث بالکل فصیح اور مطابقِ عربی اسلوب ہے۔[38] اور عربی کلام میں معنی کی رعایت معروف اسلوب ہے۔ امام قرطبیؒ نے اس پر عربی شعر سے استدلال بھی نقل کیا:

"وَإِنَّ قُرَيْشًا كُلَّهَا عَشْرُ أَبْطُنٍ وَأَنْتَ بَرِيءٌ مِنْ قَبَائِلِهَا الْعَشْرِ"

یہاں "أبطن" لفظاً مذکر ہے، لیکن شاعر نے اس سے "قبائل" مراد لیے ہیں، اس لیے عدد میں تانیث کی رعایت کی گئی۔ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں: "فَذَهَبَ بِالْبَطْنِ إِلَى الْقَبِيلَةِ وَالْفَصِيلَةِ" یعنی شاعر نے "بطن" سے قبیلہ اور جماعت مراد لی، اسی لیے اسلوب میں تانیث آئی۔ بالکل یہی اسلوب قرآنِ کریم میں بھی اختیار کیا گیا ہے۔[39]

"أسباطًا" دراصل بدل ہے، معدود نہیں

امام زجاجؒ نے نہایت اہم نحوی توجیہ پیش کی: "الْمَعْنَى قَطَّعْنَاهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ فِرْقَةً" یعنی اصل معنی یہ ہے: ہم نے انہیں بارہ گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ پھر فرمایا: "أسباطًا بدل من اثنتي عشرة" یعنی "أسباطًا" عدد کا معدود نہیں بلکہ "فرقة" کے قائم مقام بدل ہے۔ اور: "أممًا نعت للأسباط" یعنی "أممًا" اسباط کی صفت ہے۔ اس توجیہ کی روشنی میں یہ اعتراض خود بخود ختم ہو جاتا ہے، کیونکہ

37۔ القرطبي" الجامع لأحكام القرآن"، ج7، ص303

38۔ ایضا

39 ۔ ایضا

یہاں "أسباطًا" کو وہ حیثیت حاصل ہی نہیں جو معترضین سمجھ رہے ہیں۔[40] اس توجیہ پر معدود کا مفرد کے بجائے جمع ہونے کا شبہ بھی ختم ہو گیا۔

خلاصہ تحقیق:

زیرِ نظر تحقیق میں قرآنِ کریم کے منتخب نحوی اشکالات کا تفسیرِ قرطبی کی روشنی میں تنقیدی و تجزیاتی مطالعہ کیا گیا ہے۔ اس تحقیق کا بنیادی مقصد قرآنِ کریم کی بعض ایسی نحوی تراکیب کا جائزہ لینا ہے جو بظاہر عربی نحو کے معروف و مطرد قواعد سے مختلف دکھائی دیتی ہیں، نیز ان کی توضیح و توجیہ کے لیے ائمۂ تفسیر اور نحویین کی پیش کردہ آرا اور دلائل کا تجزیہ کرنا ہے۔ اس سلسلے میں سات منتخب مسائل زیرِ بحث لائے گئے ہیں، جن میں معطوف اور معطوف علیہ کے اعراب میں بظاہر عدمِ مطابقت، فعل کا اسم ظاہر جمع کے ساتھ جمع آنا، حرفِ مشبہ بالفعل "إِنَّ" کے اسم کا مرفوع ہونا، صفت و موصوف میں تذکیر و تانیث کی ظاہری عدمِ مطابقت، مفرد اسم کے لیے جمع کا اسمِ موصول استعمال کرنا، تثنیہ کے لیے جمع کا فعل لانا، اور عدد و معدود میں تذکیر و تانیث اور افراد و جمع سے متعلق نحوی مباحث شامل ہیں۔ تحقیق میں امام قرطبی کی تفسیری توضیحات کے ساتھ دیگر ائمۂ نحو کے اقوال، عربی زبان کے مستند استعمالات، قبائلی لہجات، شعری شواہد اور مختلف نحوی احتمالات کا تفسیر قرطبی کی روشنی میں جائزہ لیا گیا ہے۔ اس مقصد کے لیے توصیفی اور تجزیاتی منہج اختیار کیا گیا ہے، جس کے تحت زیرِ بحث تراکیب کو صرف معروف نحوی قواعد کی ظاہری مطابقت یا عدمِ مطابقت کی بنیاد پر پرکھنے کے بجائے عربی زبان کے مستند لسانی شواہد اور قواعد کے وسیع تناظر میں سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تحقیق سے واضح ہوتا ہے کہ بعض قرآنی تراکیب کو بظاہر نحوی شذوذ سمجھنے کے باوجود، ان کی متعدد علمی توجیہات عربی زبان کے مسلمہ اسالیب، معنوی رعایت، تقدیم و تاخیر اور مختلف قبائلی لہجات کی روشنی میں مطرد ہی سمجھی جا سکتی ہے۔ یہ مطالعہ اس امر کو نمایاں کرتا ہے کہ قرآنِ کریم کے لسانی اسالیب کو سمجھنے اور ان سے متعلق نحوی اشکالات کا جائزہ لینے کے لیے کلاسیکی تفاسیر اور مصادرِ نحو سے رجوع ناگزیر ہے۔ مزید برآں، تحقیق قرآنِ کریم کے نحوی مباحث اور ان کی توجیہ میں تفسیرِ قرطبی کی علمی اہمیت اور کلاسیکی مفسرین کے تحقیقی منہج کو بھی اجاگر کرتی ہے۔

---

40 ۔ایضا